اسوۂ ابراہیم علیہ السلام

از: حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی

یہ مضمون بہت دن ہوئے آل انڈیا ریڈیو پر پڑھا گیا تھا اور بعد میں کتابی شکل میں شائع کیا گیا۔ اسوۂ ابراہیمی پر اگرچہ اہل علم نے صدہا بار ہر پہلو سے روشنی ڈالی ہے۔ اور اس عظیم پیغمبر کا عظیم الشان کردار صرف تاریخ ہی کے صفحات میں نہیں مومنین کے سینوں میں محفوظ ہو چکا ہے۔ لیکن اپنی عظمت و افادیت کے لحاظ سے یہ اسوہ قابل ہے کہ بار بار اس کی یاد تازہ کی جائے اور عبرت حاصل کی جائے کہ بندگی اور فرمانبرداری کی کیسی کیسی مثالیں اللہ کے برگزیدہ بندے پیش کر چکے ہیں ——— حضرت مفتی عتیق الرحمٰن صاحب نے بڑے ہی دلنشیں انداز میں جامع ترین اور مکمل تفصیلاً کو چھوٹے سے مضمون میں سمو دیا ہے اور آپ کے انداز تحریر میں ایسا رچاؤ، جاذبیت اور حسن ہے کہ مضمون پڑھتے ہوئے روح و قلب لطیف و دلنشیں کیفیات میں غرق ہو جاتے ہیں اور عظیم اسوۂ ابراہیمی کی مقدس روح ایک حقیقت محسوس بن کر سامنے آ جاتی ہے —— مضمون میں احکام عید قرباں بھی شامل ہیں جس سے مضمون کی عام افادیت بہت بڑھ گئی ہے۔ اور واضح ہے کہ اس مضمون کو مصنف کی اجازت لیکر ہی شائع [illegible] (ادارہ)

عشرہ ذی الحجہ

یہ پورا عشرہ نہ صرف یہ کہ برکتوں اور رحمتوں سے بھرا ہوا ہے بلکہ اس کے ساتھ ایک ایسے عظیم الشان پیغمبر کی عظمتوں اور بے مثال قربانیوں کی تاریخ وابستہ ہے جو اپنے عہد کا پیشوا اور دلیل انقیاد و تسلیم اور فطری تعلیمات اور اپنے پیغام کی دلکشی اور ہمہ گیری کی وجہ سے مسلمانوں ہی کا نہیں دنیا کی بہت بڑی آبادی کا پیشوا سمجھا گیا ہے یعنی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

جہاں تک ان دنوں کی غیر معمولی خصوصیتوں کا تعلق ہے اسلامی تعلیمات میں ان کا مقام بہت نمایاں ہے۔ آنحضرتؐ نے ان کے بیان کے لئے مختلف دلپذیر اسلوب اختیار فرمائے ہیں ایک حدیث میں فرمایا "اچھے کاموں کے لئے اللہ تعالیٰ کو کوئی دن ان دنوں سے زیادہ پسندیدہ نہیں" الحدیث۔

عرفہ (نویں ذی الحجہ) کا دن سال کے تمام دنوں سے افضل ترین قرار دیا گیا، اور اس خاص دن کے اعمال کی فضیلت و برکات کو اثر انگیز انداز میں بیان فرمایا گیا ہے۔ فرمایا:

"عرفہ کے دن اللہ تعالیٰ کی رحمت اپنے بندوں سے بہت ہی قریب ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں اور ان کے بابرکت اعمال کو فرشتوں کے سامنے رکھتے ہیں اور ارشاد ہوتا ہے فرشتو! دیکھو یہ (میرے) کیسے بندے ہیں"

اس دن کے روزہ کے متعلق فرمایا:

"جو شخص عرفہ کا روزہ رکھے گا مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس روزہ کی برکت اور تقدیس کو اس کے ایک سال پہلے کی اور ایک سال بعد کی خطاؤں

اور ذنوب کا کفارہ بنا دے گا۔"

اسلام کا مقدس ترین رکن "حج" اسی تاریخ کو میدان عرفات میں ادا کیا جاتا ہے، جس کے لئے لاکھوں انسان دنیا کے گوشہ گوشہ سے اکٹھے ہوتے ہیں اور دل کی گہرائیوں سے اپنے پروردگار کو یاد کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام

جہاں تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظمت و برگزیدگی کا تعلق ہے اسکو قرآن مجید کی مختلف آیتوں میں کچھ اس طرح سامنے رکھا گیا ہے کہ کار[illegible] کے اس بانی توحید کی زندگی کی پاکیزگی کا ایک ایک گوشہ سامنے آ جاتا ہے۔

ایک جگہ ارشاد ہوا ہے۔

"اللہ نے ابراہیم کو اپنا دوست بنا لیا۔" (النساء آیت ۱۲۵)

پھر دوسروں کو ان کی پیروی کا حکم دیا، چنانچہ قرآن مجید میں صاف صاف کہہ دیا گیا: "اللہ سچ کہتا ہے، پس تم کو چاہئے کہ ملت ابراہیمی کی پیروی کرو۔" (آل عمران آیت ۹۵)

یہاں تک کہ تمام انسانوں کی امامت اور سرداری بخشتا ہے۔ "ابراہیم میں تم کو تمام انسانوں کا پیشوا بنانا ہوں۔" (البقرہ آیت ۱۲۴)

غور کیجئے! دوستی کا یہ مرتبہ ایک برابر کی ہستی کو نہیں، بلکہ اسکو عطا کیا جاتا ہے جو اپنا پیدا کیا ہوا ہے اور امامت کا یہ درجہ اس سے نیچے درجہ کی مخلوق پر نہیں۔ ان لوگوں پر بخشتا ہے جو اس جیسے بندے ہیں اس کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم میں کوئی خاص کمال، کوئی خاص جوہر، کوئی خاص جعفہ اور کوئی غیر معمولی امتیاز دیکھا گیا ہے، اس کی کوئی خاص آزمائش کی گئی ہے اور اس نے کوئی اہم بالشان خدمت انجام دی ہے، جب ہی تو اس کو مقام خلت اور منصب امامت مرحمت فرمایا گیا۔

دیکھنا چاہئے کہ ابراہیم میں آخر وہ کونسی ادائیں اور وہ کیا خدمت انھوں نے انجام دی تھی جس کی بنا پر انہیں یہ شاندار سلطانی کو عطا کیا گیا۔ اس کا جواب خود رب ابراہیم کی زبان سے سنئے کہ عطا و بخشش کی سبب سے بڑی وجہ کیا ہے؟ وہ صحیح وجہ تو بخشنے والا ہی بتا سکتا ہے۔ وہ ان تمام نوازشوں اور بخششوں کی ایک مختصر وجہ بیان کرتا ہے۔

"ابراہیم ایک امت تھا اور فرمانبردار تھا۔" (آل عمران آیت ۶۷)۔

دوسری جگہ فرمایا گیا:-

"جب اس کے رب نے اس سے کہا، ابراہیم اطاعت و تسلیم کی گردن جھکا دے تو اس نے بے تامل کہا۔ میں نے رب العالمین کے لئے اپنی گردن جھکا دی۔" (البقرہ آیت ۱۳۱)

اب آیئے اس اطاعت شعار اور وفادار بندے کی اطاعت کیشیوں اور فرمانبرداریوں کا ایک ہلکا سا جائزہ لیں۔

حضرت خلیل نے اس ماحول میں اوّل نے جس سرزمین میں ہوش سنبھالا تھا وہ تہذیب و تمدن کی برکتوں سے بھرپور تھی، دنیا کی ان عظیم الشان قوموں پر علم و حکمت اور صنعت و حرفت کا آفتاب اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا، لیکن مادیت کی اس کروفر اور رعنائی کے باوجود وہاں کے بسنے والوں کی عقلی اور روحانی پستی کی یہ کیفیت تھی کہ قدرت کی کھلی ہوئی نشانیوں کو دیکھ کر بھی انہیں اپنے پیدا کرنے والے کا نشان نہیں ملتا تھا ہر چیز جو کچھ طاقت، کچھ شان اور کچھ آن بان رکھتی تھی، ان کی معبود تھی، ایسے اندھے ماحول میں حضرت ابراہیم نے آنکھ کھولی، لیکن ان کی فطرت میں سلامتی اور حقیقت بینی کا ایک ایسا جوہر تھا جس سے اس وقت کے بڑے بڑے پڑھے لکھے اور سمجھ بوجھ رکھنے والے بھی محروم تھے، اس صورت حال کا قدرتی نتیجہ یہی ہونا چاہیے تھا کہ ابراہیم اور ان کی قوم کے نظریوں میں ٹکر شروع ہو گئی اور اس سلیم الفطرت نوجوان نے جس کے قلب پر خدا پرستی کی صداقت پوری وسعتوں کے ساتھ کھول دی گئی تھی، اپنی بگڑی ہوئی قوم کے عادات و اطوار کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

یہ پہلا قدم تھا جو حقیقت کی تلاش میں اٹھا، پھر مطلوب حقیقی نے اپنے طالب کے شوق جستجو کو زیادہ تیز تر کرنے کے لئے زمین و آسمان کے مظاہر قدرت دکھانے شروع کئے۔ طالب حق نے ایک ایک حقیقت کو ٹٹولنا چاہا۔ رات کے

ستارے میں تلاش و تحقیق کے قدم اٹھتے شروع ہوئے
پہلے ایک روشن تارہ دیکھا، پھر چاند اور سورج کی نورافشانیوں کا
جائزہ لیا اور چند لمحوں کے غور و فکر کے بعد فطرت سلیم کے
یقین نے اعلان کر دیا۔

"مجھے یہ غائب ہو جانے والے پسند نہیں، میں تو حق تعالیٰ
کی طرف اپنا رخ پھیرتا ہوں جو کسی کی بنائی ہوئی نہیں بلکہ اس نے
اس زمین و آسمان اور سورج اور چاند تاروں کو پیدا کیا اور
بنایا ہے" (الانعام آیت ۷۹)

ابراہیم کے دل میں جب توحید الٰہی کی شمع اپنی ساری
درخشانیوں کے ساتھ روشن ہو گئی تو انھوں نے دعوت و
تبلیغ کی راہ اختیار کی اور بھٹکی ہوئی قوم کو غلط راستوں سے ہٹا کر
صحیح راستہ دکھانے کا تہیہ کر لیا۔ کیونکہ ایک درد مند اور انسانیت
کے بہی خواہ کی حیثیت سے ان کے لیے ممکن نہیں رہا تھا کہ
قوم کو تباہی اور بربادی کی طرف جاتے ہوئے دیکھیں اور
خاموش بیٹھے رہیں۔

انھیں معلوم تھا کہ سرکش قوم کو جو دولت و حکومت
اور مادی علم و حکمت کے نشہ میں چور ہے، حق کی دعوت
دینے کا نتیجہ کیا ہوگا۔ تکلیفوں اور مصیبتوں کا ایک پہاڑ تھا
جو کلمۂ حق زبان سے نکلتے ہی ٹوٹ پڑنے والا تھا۔ لیکن
خالق اکبر سے والہانہ شیفتگی کہہ رہی تھی کہ مصائب ہی کے خوف
کھا کر اظہار حق سے باز رہنا بے ایمانی ہے، اندھے کو کنویں
میں گرتا دیکھ کر اس اندیشہ سے اس کا ہاتھ نہ پکڑنا کہ کہیں لکڑی
نہ مار دے بزدلی ہے۔ جذبات حق و صداقت کے یہی دہکتے
ہوئے شعلے تھے جنھوں نے ابراہیم کے دل کو پھونک رکھا
تھا اور وہ صرف اسی صورت میں ٹھنڈے ہو سکتے تھے کہ
حق بات صاف اور بے محابا کہہ دی جائے اور قوم کو اس
کی گمراہی پر بے جھجک ٹوک دیا جائے۔ آخر وہ اٹھے اور
سب سے پہلے نہایت شیریں اور پر حکمت انداز میں
اپنے باپ سے کہا:۔

"پیارے باپ میرے پاس علم و حکمت کی وہ روشنی آئی
ہے جو آپ کے پاس نہیں آئی پس آپ کو میری پیروی کرنی
چاہیے" (مریم آیت ۴۳)

پھر اپنے ہم وطنوں کو نصیحت کی اور کہا:

"لوگو! اللہ کی بندگی کرو اور اسی سے ڈرو، تمہارے
لیے یہی بہتر ہے اگر تم کچھ بھی سمجھ رکھتے ہو۔"
(العنکبوت آیت ۱۶)

یہ ایسی نامانوس آواز تھی کہ جس کی بھنک بھی ان کی قوم
کے کان میں نہیں پڑی تھی، ایک خدا کا تصور ان کی محدود
قوت خیال میں سما نہ سکتا تھا تو ہم پرستیوں نے ان کے ظرف
عقل میں اتنی گنجائش ہی نہیں چھوڑی تھی کہ وہ کسی ایسی بالاتر برتر
ہستی کو سمجھ سکیں جو تمام کائنات کی پیدا کرنے والی اور پرورش
کرنے والی ہو اس لیے انھیں ابراہیم کی زبان سے اتنی بڑی بات
سن کر اچنبھا ہوا اور کج بحثیوں پر اتر آئے۔

اس بے جگری کیساتھ حقیقت کے اعلان سے قوم میں
ابراہیم کی جرأت بیباک کا چرچا ہونے لگا اور رفتہ رفتہ اس
آواز نے سرزمین بابل کے حکمراں کے کانوں پر بھی دستک
دی یہ بادشاہ اپنی محکوم رعایا کا حاکم یا آقا ہی نہیں تھا بلکہ[1] اپنے
آپ کو خدا کہتا تھا تو اس لیے جب اس نے ایک دوسرے
اصلی خدا کے نقیب کا ذکر سنا جو معبود ارض ہی پر نہیں بلکہ تمام
کائنات پر ایک ہستی کی بادشاہت اور کارفرمائی کا اعلان کر رہا تھا
تو اس کے شاہانہ طنطنہ میں جوش و خروش کی ایک لہر دوڑ گئی
اور اس نے چاہا اس بے خوف نقیب کے جذبۂ حق پرستی
کا امتحان لے بالآخر ایک موقعہ پر دونوں کی مڈبھیڑ ہو گئی
اس نے پوچھا ابراہیم تمہارا رب کون ہے، ابراہیم نے جواب دیا

---

[1] مشہور ہے کہ نمرود سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ٹکر اس وقت ہوئی
جبکہ وہ اپنے ملک کی رسم کے مطابق ایک جماعت کے ساتھ اس سے روزی
لینے گئے تھے ایک ایک آدمی نمرود کے ساتھ آتا وہ دریافت کرتا تیرا رب
کون ہے؟ سائل جواب دیتا تو ہے نمرود خوش ہو کر اسکو انعام دیتا، ابراہیم
یہ کیفیت دیکھتے اور پیچ و تاب کھاتے رہے۔ چنانچہ جب ان کی پیشی کا
وقت آیا تو توقع کے خلاف انھوں نے ایسے جواب دیئے کہ نمرود
ہکا بکا رہ گیا۔

وہ جو مارتا چلا آتا ہے۔ اس نے کہا یہ تو میں بھی کرتا ہوں، جس کو چاہتا ہوں قتل کر دیتا ہوں اور جس کو چاہتا ہوں جیتا چھوڑ دیتا ہوں۔ ابراہیم نے مخاطب کی سمجھ اور دماغی استعداد کا اندازہ لگا کر برملا کہا۔ میرے رب کا صرف یہی کام نہیں ہے بلکہ وہ سورج کو مشرق سے نکالا کرتا ہے آپ ہمت کر کے آج اسے مغرب سے نکال دیجئے، علم و بصیرت کی اس حجت قاطع کا نمرود کے پاس کوئی جواب نہ تھا اور وہ اور اس کا سارا دربار مبہوت حیران ہو کر رہ گیا (البقرہ آیت ۲۵۸)

بہرحال توحید الٰہی کے اس بیباک منادی نے سب سے پہلے اپنے باپ کو سچائی کا پیغام سنایا، پھر عوام اور جمہوریہ کے سامنے اس پیغام کو رکھا اور اس کے لئے فطرت کے بہترین اصول و دلائل پیش کئے، نرمی، شیریں کلامی اور روشن دلیلوں کے ساتھ ان پر حق واضح کیا، اور انجام کار وقت کے اقتدار اعلیٰ سے جو جبّاری اور قہاری کے نشہ میں سرمست تھا ٹکر لینے کے لئے سینہ سپر ہو گیا۔ نتیجہ وہی نکلا جو نکلنا چاہئے تھا ایک حق کے مقابلہ کے لئے باطل کی تمام بے لگام طاقتیں متفق ہو کر سامنے آ گئیں اور فیصلہ کیا گیا کہ ابراہیم کو دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا جائے۔

اس مرحلہ پر اللہ کے پیغمبر کی ظاہری جد و جہد کا معاملہ ختم ہو گیا، کیونکہ اب صداقت کے مقابلہ میں مادی سطوت کا مظاہرہ شروع ہو گیا تھا۔ ایسا مظاہرہ جس کی مثال چشم فلک نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ جاں بازی اور سرفروشی کا یہ انداز وہی شخص اختیار کر سکتا تھا جس نے اپنے مقاصد کی بلندی اور پاکی کے لیے جان ہتھیلی پر رکھ لی ہو اور سخت سے سخت مصیبت جھیلنے کے لیے آمادہ ہو گیا ہو۔

آخر شیدائے حق کے لیے ابتلاء و آزمائش کی وہ ہولناک ساعت آ پہنچی، اس کے لیے ایک بڑا الاؤ تیار کیا گیا اور اسمیں مسلسل کئی روز تک آگ دہکائی گئی اور ابراہیم کو اس میں پھینک دیا گیا۔ اس وقت آگ کو جلانے کی تاثیر بخشنے والے نے آگ کو حکم دیا کہ وہ ابراہیم پر اپنا اثر نہ دکھائے اور اس کے حق میں سلامتی کے ساتھ سرد پڑ جائے۔ چنانچہ آگ ابراہیم کے حق میں، اسی وقت برد و سلام بن گئی، اس آتشکدہ سے نکل کر اللہ کے خلیل کو غربت وطن کے ایک دوسرے آتش کدہ میں قدم رکھنا پڑا اس نے وطن اور علائق وطن کی قدرتی الجھنوں کی پروا نہ کرتے ہوئے اعلان کر دیا۔

میں تم کو چھوڑتا ہوں اور ان کو بھی جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو (مریم آیت ۴۸)

چنانچہ اللہ کے چند بندوں کا یہ چھوٹا سا بے سروسامان قافلہ صحرا بہ صحرا پھرتا ہوا اور دشت غربت کی خاک چھانتا ہوا سالہا سال سفر کی صعوبتیں برداشت کرتا رہا۔ لیکن امتحانوں اور آزمائشوں کا سلسلہ ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔ اس قدر شدید اور پے بہ پے آزمائشوں کے بعد بھی آخری اور سب سے بڑی آزمائش باقی تھی۔

عشق الٰہی کا دعویدار بوڑھا ہو چکا تھا، اس کی عمر اسّی برس سے بھی آگے نکل چکی تھی مگر یہ اب تک اولاد سے محروم تھا اس کے دل میں رہ رہ کر ارمانوں کی موجیں اٹھتی تھیں، چاہتا تھا کہ کوئی نام چلانے والا پیدا ہو اور جس ملت حنیف کی بنیاد اس نے رکھی ہے وہ اسے زندہ رکھ سکے۔ بالآخر دعا قبول ہوئی اور ایک حلیم الطبع بیٹے کی بشارت دی گئی، لڑکا پیدا ہوا جو حسن صورت اور حسن سیرت دونوں سے آراستہ تھا، زندگی کا یہ سہارا ماں باپ کی تمناؤں اور امیدوں کی گود میں بڑے پیار و محبت سے پلا یہاں تک کہ جب وہ اس عمر کو پہنچ گیا کہ کام کاج میں باپ کا ہاتھ بٹا سکے یعنی جب امیدوں اور تمناؤں کے پورا ہونے کا وقت آیا عین اس وقت اس کا نہایت سخت امتحان لیا گیا۔ اسے خواب میں دکھایا گیا کہ بیٹے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر رہا ہے۔ محبوب کا اشارہ کھلا ہوا تھا۔ اس میں محبوبیت کی پوری پوری ادا برتی گئی تھی کہ خود اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا گیا بلکہ اس کو بیٹے کی گردن پر چھری چلاتے ہوئے دکھایا گیا۔ تھوڑے سے غور و فکر کے بعد باپ کو یقین ہو گیا کہ اب اولاد کی قربانی کا مطالبہ ہے۔ اللہ اکبر کیسا سخت صبر آزما مطالبہ تھا۔ سوال یہ نہ تھا کہ ہم مارے دیتے ہیں تم صبر کر لینا۔ سوال یہ تھا کہ اپنے جان سے پیارے بیٹے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرو اس مطالبہ کو وہی پورا کر سکتا تھا جس نے نفس و تسلیم کی گردن

ہمیشہ کے لئے اپنے پروردگار کے سامنے جھکا دی ہو۔

بہرحال حضرت ابراہیم اس آخری اور سب سے کڑی آزمائش میں بھی بندگی و سپردگی کی ایک عجیب شان سے کامیاب ہوئے زبانِ وحی نے اعلان کر دیا۔

"آخر جب ان دونوں نے مرضیٔ مولیٰ کے سامنے اپنا سر جھکا یا اور ابراہیم نے اسماعیل کو پیشانی کے بل گرا دیا تو ہم نے پکارا ابراہیم ٹھیرو! بس تم نے اپنا خواب سچا کر دکھایا ہم نیکو کاروں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ بلاشبہ یہ (تمہاری) کھلی ہوئی آزمائش تھی اور ہم نے ایک بڑی قربانی کو ان کا فدیہ دیا۔ یعنی اسماعیل کی قربانی کے بدلے ایک بڑی قربانی قائم کی" (الصفات رکوع ۳)

باپ بیٹے کا یہ انداز اطاعت جس میں تسلیم و رضا کی روح پوری طرح کارفرما تھی، کچھ ایسا مقبول بارگاہ الٰہی ہوا کہ اسے ہمیشہ کے لئے شعار مذہبی بنا دیا گیا اور بعد کے آنیوالوں پر بھی قربانی ضروری قرار دیدی گئی۔

حدیث شریف میں ہے کہ بعض صحابہ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا حضور! یہ قربانیاں کیا ہیں؟ فرمایا تمہارے باپ ابراہیم کی سنت ہے۔

ہزار ہزار سلام اللہ کے خلیل پر جس کے نقوشِ قدم کی خاک میں دنیا جہان کے امن اور سلامتی کا راز پوشیدہ ہے۔

عیدقرباں اور فلسفہ قربانی

ایثار اور نیک عملی کی روح

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کتاب زندگی کا ایک سبق آموز ورق

اسلام میں بڑے تہوار دو ہی ہیں، ایک عید الفطر اور عید قرباں ان دونوں تقریبوں سے مذہب اسلام کی شاندار روایات وابستہ ہیں۔

عید الفطر روزوں کا شکریہ اور قرآن مجید کے نزول کی یادگار ہے جس کے نتیجہ میں پردۂ عالم پر ملتِ محمدی کا ظہور ہوا۔

"عید قربان" اس بے مثال تاریخی واقعہ کی یاد تازہ کرتی ہے جو اب سے کم و بیش چار ہزار سال پہلے وادی کرب میں پیش آیا تھا یعنی امتوں کے پیشوا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دکھایا گیا کہ اپنے نورِ نظر کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر رہے ہیں۔

اللہ کے پیغمبروں پر جو وحی آتی ہے اس کی مختلف قسمیں ہیں، جن میں ایک خواب بھی ہے۔ یہ خواب دو طرح کے ہوتے ہیں۔ تمثیلی اور حقیقی۔ حقیقی اور عینی خواب میں اصل حقیقت صاف اور بے پردہ دکھائی جاتی ہے اور وہی مقصود ہوتی ہے۔ تمثیلی خواب میں حقیقت کو کسی اور پیرایہ میں دکھایا جاتا ہے۔ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ خواب کہ گیارہ ستارے اور آفتاب و ماہتاب انکو سجدہ کر رہے ہیں اور ان کو قحط اور خشک سالی کی علامت اور سوکھی بالوں اور دبلی پتلی گایوں کی صورت میں دکھائی گئی تھی، دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ بعض خواب مثالی صورت میں دکھائے جاتے ہیں اور تعبیر و بیان کے محتاج ہوتے ہیں، بعض ٹھیک ٹھیک مشاہدہ بن کر سامنے آتے ہیں، ان کے سمجھنے کے لئے تفصیل تعبیر کی ضرورت نہیں ہوتی۔

بہرحال خلیل اللہ نے پہلی دفعہ ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ کو خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے ابراہیم! اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے بیٹے کو قربان کر دینے کا حکم دیا ہے صبح ہوئی تو ابراہیم حیرت میں تھے۔ شام تک اس بے انتہا نازک معاملہ پر احتیاط سے غور کرتے رہے، آٹھویں تاریخ کو یوم الترویہ اسی لئے کہا جاتا ہے، تروبہ کے معنی غور و فکر اور تردد کے ہیں۔

نویں تاریخ کی رات آئی تو پھر یہی آواز سنی اور اب یقین ہو گیا کہ یہ حکم حق تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ نویں ذی الحجہ کا نام "یوم عرفہ" اسی لئے ہے یعنی پہچان اور معرفت کا دن یہاں تک کہ جب دسویں تاریخ کی شب میں یہی کچھ دیکھا تو حکم الٰہی بجا لانے کے لئے بے تامل اکلوتے بیٹے کو قربان کر دینے کا ارادہ کر لیا۔ دسویں تاریخ کو "یوم النحر" کہنے کی یہی وجہ ہے نحر کے معنی ذبح کر دینے اور قربان کر دینے کے ہیں یعنی ذبح کرنیکا دن

تین رات مسلسل یہی خواب دیکھنے اور یقین کامل حاصل کر لینے کے بعد باپ نے بیٹے کو صورت حال کی نزاکت سے باخبر کیا اور اس کے متعلق مشورہ کرنا چاہا اگرچہ ایسے کھلے ہوئے معاملہ میں اب مشورہ کی ضرورت نہیں رہی تھی پھر بھی اللہ کے رسول نے مشورہ کی سنت پر عمل کرنا اس لئے اور بھی مناسب جانا کہ اس طریقے سے بیٹے کی عزیمت اور ثابت قدمی کا امتحان ہو سکتا تھا چنانچہ جیسے ہی نوجوان بیٹے نے بڑھے باپ کی زبان سے یہ بات سنی ایک لمحہ کے لئے پس و پیش کئے بغیر پکار اٹھا۔ پیارے باپ اب آپ سوچتے کیا ہیں مالک کا جو حکم ہوا اس کی فوراً تعمیل کیجئے دیر کیوں اور کس لئے میرے متعلق آپ اطمینان رکھیں دیکھیے کس شوق سے اپنے پروردگار کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں۔

ہزار ہزار سلام ایسے باپ اور بیٹے پر جنہوں نے بعد میں آنے والوں کو ایسے عزم و ہمت اور ایثار و قربانی کا سبق دیا قرآن کریم نے تسلیم و رضا کے اس زندۂ جاوید کارنامے کو اپنے خاص معجزانہ انداز میں اسطرح بیان کیا ہے۔

"جب اسماعیل اپنے باپ کے ساتھ چلنے پھرنے کی عمر کو پہنچے اور اس لائق ہوئے کہ باپ کی ضرورتوں میں ان کا ہاتھ بٹا سکیں تو ابراہیم نے کہا جان پدر میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں تو سوچو اس میں تمہاری کیا رائے ہے بیٹے نے جواب میں کہا، ابا جان! آپ کو جو حکم ہوا ہے اس کو کر گذریئے۔ خدا نے چاہا مجھکو برداشت کرنے والوں اور سہار نے والوں میں پائیں گے، پھر جب دونوں نے ہمارا حکم مان لیا اور تسلیم و انقیاد کی گردن جھکا دی اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا تو ہم نے پکارا۔ اے ابراہیم! بس ٹھیرو تم نے اپنا خواب سچا کر دکھایا ہم نیک عملوں کو یوں ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ بے شبہ یہ تمہاری کھلی ہوئی آزمائش تھی اور ہم نے ایک بڑی قربانی کو ان کا فدیہ دیا (یعنی بیٹے کی قربانی کے بدلے ایک بڑی قربانی قائم کی) اور بعد کے آنیوالوں پر بھی اس کو باقی رکھ چھوڑا۔ (الصٰفٰت رکوع ۳)

ابراہیم و اسمٰعیل علیہم السلام کا یہ انداز تسلیم و رضا اور جوش فداکاری کچھ ایسا مقبول ہوا کہ اس کو ہمیشہ کے لئے ملی اور دینی نشان بنا دیا گیا اور قربانی ایک مستقل سنت بنگئی۔

اسلام کا بہت بڑا اور اہم رکن "حج" جو ذی الحجہ کی نویں تاریخ (عرفہ) کو میدان عرفات میں ادا کیا جاتا ہے اور جس کے لئے دنیا کے کونے کونے سے لاکھوں انسان اس بابرکت اور نورانی وادی میں بیک وقت جمع ہوتے ہیں اور ایک جذبۂ بیتاب اور ولولۂ بے پناہ کے ساتھ اپنے پروردگار کو یاد کرتے اور اپنی لغزشوں اور ذلتوں کی معافی چاہتے ہیں خدا کے انھی طاعت گزار بندوں کی نہایت متبرک یادگار ہے۔

حج کے دنوں میں ہر قدم پر جو "لبیک" کہا جاتا ہے یہ وہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان حق سے نکلے ہوئے لفظوں کا ترجمہ ہے۔ یعنی پروردگار میں آپ کے حکم کی بجا آوری کے لئے حاضر ہوں۔ اے وحدہٗ لاشریک میرا سر ہر وقت آپکی خوشنودی کے سامنے جھکا ہوا ہے۔

نویں تاریخ کی صبح سے تیرھویں کی عصر تک جو تکبیریں پڑھی جاتی ہیں جو ان دنوں کی نہایت اہم اور خاص عبادت خیال کی جاتی ہے، ان کی اصل یوں بیان کی جاتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے "جبریل امین" فدیہ کا مینڈھا لیکر حضرت ابراہیم کی خدمت میں آئے تو انھوں نے دیکھا کہ ابراہیم خلیل حکم خدا وندی کی تعمیل (لخت جگر کی قربانی) بعجلت تمام کرنا چاہتے ہیں، خدا کا مقدس فرشتہ اس منظر کو دیکھ کر کہہ اٹھا اللہ اکبر! اللہ اکبر! خلیل اللہ نے جواب میں فرمایا لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر جبریل و خلیل کی زبان سے صبر و ایثار کے پیکر اسمٰعیل نے جب یہ الفاظ سنے تو اسی حالت میں فرمایا۔ اللہ اکبر و للہ الحمد اس تفصیل کے مطابق یہ تکبیر تینوں بزرگوں کی زبان سے نکلے ہوئے پاکیزہ الفاظ کا مجموعہ ہے جو ایک خاص حالت و کیفیت میں کہے گئے تھے[1]

صفا مروہ پہاڑیوں کے درمیان چکر لگانا۔ منیٰ میں

---

[1] شرعۃ الاسلام

چار روز کا قیام اور اس مقام کی خاص خاص عبادتیں بھی کعبۂ محترم کے انہی بانیوں اور تعمیر کرنیوالوں کی یاد تازہ کرتیں اور مردہ دلوں کو حرارت ایمانی سے گرماتی ہیں۔

آئیے! تھوڑی دیر کے لئے ہر خیال سے یکسو ہو کر تاریخ عالم کی اس لاثانی شخصیت کے اسوہ حسنہ کی یاد منائیں جسنے حق کی آن قائم رکھنے کیلئے اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ اپنی قوم کو چھوڑا، عزیزوں، قریبوں سے ترک تعلق کیا اور حق و صداقت کی پاسبانی کے لئے ہر چیز سے بے نیاز ہو کر کتنی ہی آبادیوں اور کتنے ہی ویرانوں میں برسوں تک بے سہارا پھرتا رہا، جس نے آگ میں پڑنا گوارہ کیا، لیکن اپنے عقیدے پر جسکو وہ حق جانتا تھا پتھر کی چٹان کی طرح جما رہا۔ یہاں تک کہ سالہا سال کی گردش اور مختلف آزمائشوں میں کامیاب ہونیکے بعد آخر عمر میں جب اس کی تمنا اس طرح پوری ہوئی کہ قدرت نے اس کو ایک بردبار ہونہار بیٹا دیا جو فی الحقیقت بڑھاپے کا سہارا اور خزاں رسیدہ چمن کا ایک تروتازہ پھول تھا۔ تو اس کو بھی خدا کی راہ میں قربان کر دینے کا حکم ہوا اور مالک کا یہ وفا شعار بندہ خوشی خوشی اسکے لئے آمادہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ جگر پارے کے گلے پہ بے تکلف چھری رکھدی۔

یہ ایک زبردست اور آخری آزمائش تھی جو محبوب حقیقی نے اپنے سچے بندے کی کی۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ میرا یہ بندہ جس نے میرے لئے دنیا کی ہر چیز تج دی ہے محبت پدری کو بھی قربان کر سکتا ہے یا نہیں؟۔

سچ تو یہ ہے ابراہیم بڑا ہی بردبار، بڑا ہی نرم دل اور ہر حالت میں اللہ کی طرف رجوع ہو کر رہنے والا ہے (ہود آیت ۷۵)

یہ ہے حج اور قربانی کی تاریخ کا مجمل سا خاکہ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کتاب زندگی کا ایک سبق آموز ورق۔

اب آئیے قربانی کے اصل مقصد اور اس کے فلسفہ پر بھی غور کرتے چلیں۔

ہم قربانی سے مقصد کسی وقت اور کسی حالت میں بھی دوسروں کی دل آزاری نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص دوسروں کا دل دکھانے کے لئے قربانی کرتا ہے تو وہ بے شبہ اپنے اس بہترین عمل کو برباد کرتا ہے۔ قرآن مجید نے قربانی کی اصل حقیقت کا روحانیت میں ڈوبے ہوئے ان لفظوں کیساتھ برملا اعلان کیا ہے کہ "اللہ تعالیٰ کو گوشت پوست اور ہڈی اور خون سے کوئی سروکار نہیں۔

یہ گل سڑنے والی چیزیں اس کے دربار میں نہیں پہنچتیں، جو چیز اس کی بارگاہ میں پہنچتی اور شرف تقرب حاصل کرتی ہے وہ صرف دل کا ادب اور ضمیر کی پاکی ہے۔"

(الحج آیت ۳۷)

یعنی جانور ذبح کر کے اس کا گوشت کھانے کھلانے یا اس کا خون گرانے سے تم کبھی بھی اپنے پروردگار کی خوشنودی حاصل نہیں کر سکتے۔ اس کی رضا چاہتے ہو تو اپنے اندر صبر تحمل نیک عملی اور پرہیزگاری کی روح پیدا کرو اور سوچو کہ جس جوش اور ولولے کے ساتھ تم نے ایک قیمتی جانور اس کے نام پر قربان کیا اسی جوش و خروش کے ساتھ زندگی کے باقی گوشوں میں بھی ایثار و قربانی کا ثبوت دینے کیلئے آمادہ ہو؟۔

انسانیت کا احترام، بھائی چارہ کا قیام، جذبۂ انتقام سے نفرت، انسانی اخوت و مساوات، پڑوسیوں کے حقوق کی نگہداشت، دعوت امن اور قیام عدل، کردار کی بلندی اور پاکی، دشمنوں اور برا چاہنے والوں سے بھی حسن سلوک حکمت اور دانائی سے ناگواریوں اور تلخیوں کا مقابلہ، مایوسیوں اور نا امیدیوں کی گھٹا ٹوپ اندھیریوں میں بھی امید کی چٹان پر مضبوطی سے جمے رہنا، حق کی حمایت اور باطل کے مقابلہ پر سینہ تان کر کھڑے ہو جانا۔ بے سہاروں اور ناداروں کی ضرورتوں کا احساس، زندگی کے یہ تمام عنوانات تمہارے جواب کا انتظار کر رہے ہیں۔ ایسا جواب جو پیشوائے اعظم حضرت ابراہیم علیہ السلام اور سرور کائنات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی ہدایات اور تعلیمات کے قالب میں ڈھلا ہوا ہو۔

قوموں کی زندگی میں اس طرح کے قدرتی اجتماعات بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ یہ مواقع قوم کے افراد پر زبردست نفسیاتی اثر ڈالتے ہیں۔ وہ دیواریں جو روزمرہ کی زندگی میں ان کو ایک دوسرے سے جدا رکھتی ہیں ایسے موقعوں پر خود بخود ٹوٹ جاتی ہیں اور یہ احساس عام ہوجاتا ہے کہ ہم سب ایک مضبوط رشتہ سے بندھے ہوئے ہیں اور وہ ہے انسانیت اور اس کے قدرتی تقاضوں کا رشتہ جس کو کوئی اندھا تعصب کچھ دیر کے لیے مضمحل تو کر سکتا ہے توڑ نہیں سکتا۔

پس آؤ! آج ابراہیم خلیل علیہ السلام کی نرم مزاجی و شیریں کلامی، اسماعیل ذبیح کے ولولۂ ایثار اور جذبۂ استقامت اور خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ عفو و رحمت کے نام پر عید قرباں کے اس مبارک اور روحانی اجتماع سے عزم و ہمت، ایثار و فداکاری، قوتِ صبر و برداشت اور مومنانہ بے خوفی کے ساتھ ملک و ملت کی خدمت کا سبق سیکھیں۔

احکامِ عیدِ قرباں

نماز بقرعید اور عید الفطر کی نمازیں ایک ہی طریقے سے ادا کی جاتی ہیں، یعنی تکبیر تحریمہ اور ثنا کے بعد قرأت سے پہلی رکعت میں اور قرأت کے بعد رکوع میں جانے سے پہلے دوسری رکعت میں تین تین تکبیریں اور کہنی چاہئیں، ان تکبیروں کا نام تکبیراتِ زوائد ہے یعنی نماز کی اصل اور روزمرہ کی تکبیروں کے علاوہ زائد تکبیریں۔ ان زائد تکبیروں میں بھی ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں، پہلی رکعت میں پہلی بار اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ اٹھائے جائیں اور چھوڑ دئے جائیں، دوسری بار سبحانک اللّٰھم... آخر تک پڑھا جائے اس کے بعد پھر اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ اٹھائے جائیں اور چھوڑ دیے جائیں، اسی طرح دوسری دفعہ اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ اٹھائے جائیں اور چھوڑ دیے جائیں، تیسری دفعہ اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ اٹھائے اور باندھ لے۔ دونوں عیدوں کی نماز کا وقت طلوعِ آفتاب اور اس کے کچھ بلند ہوجانے کے بعد سے لیکر زوال سے پہلے تک ہے لیکن جہاں تک ہوسکے دوگانۂ عیدین جلد ادا کیا جانے، خاص طور پر بقرعید کی نماز کہ اس میں تعجیل اور بھی زیادہ مستحب ہے تاکہ نماز کے بعد قربانی کی ذمہ داری سے اچھے اور اطمینان کے وقت میں فراغت ہوسکے۔

نماز کے بعد خطیب خطبہ دے جس میں قربانی، تکبیراتِ "تشریق" عرفہ کے روزے کی فضیلت "عشرۂ ذی الحجہ کی خصوصیات" اور دوسری ضروری باتوں کی دل نشین اور مؤثر انداز میں تشریح کی جائے، خطبہ کا وہ حصہ جو مسائل سے متعلق ہے مادری زبان میں دیا جائے تاکہ عام مسلمان ان اہم اور ضروری مسئلوں کو سمجھ سکیں، لوگوں کو چاہیئے کہ اطمینان، خاموشی اور یکسوئی کے ساتھ خطبہ سنیں، بغیر خطبہ سنے عیدگاہ چھوڑنا ایک بڑی سنت سے محرومی ہے، دونوں عیدوں کی نماز شہر سے باہر عیدگاہ میں ہونی چاہیئے یہی مسنون و مستحب طریقہ ہے، کسی خاص عذر کے بغیر مسجدوں میں عیدین کی نماز پڑھنا طریقۂ مسنونہ کے خلاف ہے، شریعت حق کا منشا یہ ہے کہ تمام اہلِ اسلام کا اجتماع ایک جگہ ہو اور زیادہ سے زیادہ شاندار اور پرشکوہ ہو، افسردگی اور پراگندگی کے اس دور میں اس نکتہ کا خاص طور پر لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

مسبوق (جو شروع سے نماز میں شریک نہ ہوسکا ہو)

اس کا حکم بھی وہی ہے جو عید الفطر کی نماز کے مسبوق کا، مثلاً کوئی شخص پہلی رکعت کے رکوع میں امام کے ساتھ ملے تو اس کو چاہیئے کہ بغیر ہاتھ اٹھائے رکوع ہی میں تینوں تکبیریں کہہ لے اور کوئی دوسری رکعت میں شریک ہوا ہو تو اس کی اس ایک رکعت کی تکبیریں تو امام کے ساتھ ہو ہی جائیں گی بعد کو اسے اپنی چھوٹی ہوئی رکعت اس طرح ادا کرنی چاہیئے کہ قرأت سے فارغ ہو کر رکوع میں جانے سے پہلے تکبیریں کہے گا کیونکہ اگر اس نے رکعت میں قرأت سے پہلے تکبیریں کہیں تو دونوں رکعتوں کی تکبیریں مل جائیں گی اور اس کی اجازت نہیں ہے، لیکن کسی کی دونوں رکعتیں رہ جائیں تو وہ تکبیراتِ زائد اسی ترتیب سے ادا کرے جس طرح امام کے ساتھ ادا کرتا

یعنی پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے اور دوسری رکعت میں قرأت کے بعد نماز کی ایک اصل تکبیر کے علاوہ تین تین تکبیریں ہاتھ اٹھاکر اور چھوڑ کر کہے اور پہلی رکعت میں آخری تکبیر پر ہاتھ باندھ لے اور دوسری رکعت میں سیدھا رکوع میں چلا جائے

عیدین کی نماز سے پہلے کسی قسم کی نفلیں نہیں پڑھنی چاہئیں اور نفلوں کی زیادہ عادت ہو تو نماز اور خطبہ وغیرہ سے فارغ ہو کر اپنے گھر پڑھئے، عیدگاہ میں نفلوں کی اجازت بہرحال نہیں ہے۔

امام کو اس کا خاص طور پر لحاظ رکھنا چاہیئے کہ عیدین کی قرأت میں سجدہ کی کوئی آیت نہ آئے، اتفاقی طور پر آجائے تو پھر بھی سجدۂ تلاوت نہیں کرنا چاہیئے۔

مستحبات و آداب

جو چیزیں عیدالفطر میں مسنون و مستحب ہیں عیدالضحیٰ میں بھی ہیں، مثلاً مسواک، وضو اور غسل کرنا، جواز کی حد میں زیادہ عمدہ اور صاف ستھرے کپڑے پہننا خوشبو لگانا، ہر ایک کے ساتھ کھلے اور ہنستے ہوئے چہرے سے پیش آنا۔ نماز کے لیے ایک راستے سے جانا۔ دوسرے راستے سے واپس آنا تاکہ دونوں راستے اس کی نماز و تکبیر پر گواہ رہیں لیکن عیدالفطر میں نماز سے پہلے کوئی میٹھی چیز کھا لینا مستحب ہے۔ اور بقرعید میں نماز سے فراغت کے بعد بہتر ہے خصوصیت سے ان لوگوں کے لیے جن پر قربانی واجب ہے قربانی کے گوشت سے کھانے کی پہل کرنا محمود و مستحسن ہے نیز قربانی کرنیوالے کے لیے مستحسن ہے کہ ذی الحجہ کے ان دس دنوں میں اپنے بال اور ناخن نہ بنوائے ارشاد مبارک ہے قربانی کرنیوالے کو چاہیئے کہ ذی الحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد اپنے بالوں اور ناخنوں کی حجامت سے رکا رہے۔

(مسلم شریف)

بنابریں مناسب یہ ہے کہ چاند دیکھنے سے پہلے خط بنوا لیا جائے اس طرح اس تکدر سے بھی بچ جائے گا جو فطری طور پر حجامت زیادہ بڑھنے سے ہوجایا کرتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ بقرعید میں عیدگاہ کے راستے میں قدرے بلند آواز سے تکبیر پڑھی جاتی ہے اور عیدالفطر میں آہستہ آہستہ۔ تکبیر کے الفاظ یہ ہیں۔

اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ و اللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد۔

تکبیر کی اصل

تفسیر کی بعض معتبر کتابوں میں تکبیر کی اصل یوں لکھی ہے کہ جب جبریل امین فدیہ کا مینڈھا لے کر حضرت ابراہیمؑ کے پاس پہونچے تو انھوں نے دیکھا کہ ابراہیم خلیل حکم الٰہی کی تعمیل بعجلت تمام کرنا چاہتے ہیں، خدا کا مقدس فرشتہ انقیاد و تسلیم کے اس ایمان افروز منظر کو دیکھ کر پکار اٹھا اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ کے خلیل نے جواب میں فرمایا لا الٰہ الا اللہ و اللہ اکبر جبریل و خلیل علیہم السلام کی زبان سے رضا و ایثار اور صبر و استقامت کے پیکر اسماعیل ذبیح اللہ نے یہ الفاظ سنے تو فرمایا اللہ اکبر و للہ الحمد اس تفصیل کے مطابق یہ تکبیر ان تینوں برگزیدہ ترین شخصیتوں کی زبان سے نکلے ہوئے تیرہ الفاظ کا مجموعہ ہے جو ایک خاص حالت اور ماحول میں کہے گئے تھے ایسی حالت جو فضائے کائنات کی آنکھوں نے اب تک نہیں دیکھی تھی۔

تکبیرات تشریق

نو تاریخ کی صبح سے تیرہ تاریخ کی عصر تک یہ تکبیر ہر نماز کے بعد امام اور مقتدی دونوں کو بلند آواز سے پڑھنی واجب ہے۔ امام کو یاد نہ رہے تو نمازی تکبیر پڑھکر یاد دلادیں۔

جو شخص تنہا نماز پڑھے اس کو بھی یہ تکبیر پڑھنی چاہیئے عورتوں کے لیے بھی یہی حکم ہے لیکن وہ اونچی آواز سے نہ پڑھیں ان پانچ دنوں بلکہ اس پورے عشرہ میں یوں بھی ان تکبیروں کا ورد رکھنا چاہیئے، یہ ان دنوں کا ایک خاص بابرکت عمل ہے۔

قربانی کی فضیلت

دسویں تاریخ کو عید کی نماز کے بعد حق تعالیٰ کی جناب میں محبوب ترین عمل قربانی کرنا ہے، قربانی کے جانور کا ایک ایک بال اور اس کے خون کا ایک ایک قطرہ گناہوں اور لغزشوں کے کفارے کا سبب ہے، قربانی کا ہر عضو اور ہر حصہ یہاں تک کہ اس کی کھال، اس کے کھر، اس کے سینگ، بلکہ اس کے

نہ جاسکتا ہو، زیادہ بیمار، کان یا ناک یا دم یا زبان کٹا ہوا، ایسے جانور کی قربانی درست نہیں، دُم اور کان کا تیسرا حصہ یا اس سے کم کٹا ہوا ہو تو اس کی گنجائش ہے اور ایسے جانور کی قربانی ہوسکتی ہے۔ گویا وہ علیم الاعضاء ہی ہے، آنکھ میں بھی تہائی بینائی کا اعتبار ہے یعنی اگر جانور کی ایک آنکھ صحیح ہو اور دوسری آنکھ کی تہائی بینائی یا اس سے کم خراب ہو تو اسکی قربانی درست ہے، بینائی کی مقدار کی جانچ مختلف طریقوں سے ہوسکتی ہے۔

کسی جانور کو پیدائشی سینگ نہ ہوں یا سینگ کے خول ٹوٹ گئے ہوں مگر گودے پر زیادہ اثر نہ ہوا ہو تو اس کی قربانی ہوسکتی ہے۔

پیدائشی کان نہ ہوں تو درست نہیں ہوگی، کان ہوں لیکن چھوٹے ہوں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں قربانی ہوجاتی ہے، جس جانور کے اکثر دانت گر گئے ہوں اسکی قربانی درست نہیں۔

خصی اور بدھیا کی قربانی درست ہے بلکہ امام اعظمؒ سے روایت ہے کہ فربہی اور عمدگی اور گوشت کی لطافت اور عمدگی کی وجہ سے اسکی قربانی زیادہ بہتر ہے۔

ایک جانور کو دوسرے جانور کے سامنے ذبح نہ کرنا چاہیئے۔

قربانی کے گوشت کے تین حصے کرنا مستحب ہے، اس طرح کہ ایک حصہ صدقہ کر دیا جائے، ایک حصہ عزیزوں، قریبوں اور دوستوں کو دیدیا جائے اور ایک حصہ اپنے استعمال میں لایا جائے، عزیزوں میں بے وجہ اور بے ضرورت محض رسم و رواج کی پابندی اور ردوبدل کے طور پر گوشت تقسیم کرنے میں کوئی معقولیت نہیں، گوشت کے تین حصے کرنے کا حکم بھی استحبابی ہے، تمام گوشت اپنے کام میں لانا یا تمام کا صدقہ کرنا اور تقسیم کر دینا درست ہے، فروخت کرنا بہرحال منع ہے۔

بکری بھیڑ دنبہ ایک آدمی کی طرف سے ایک ہی ہوسکتا ہے بڑے جانوروں میں سات تک شریک ہوسکتے ہیں، سب شریکوں کی نیت اللہ تعالیٰ کی قربت کی اور ثواب کی ہونی چاہیئے، چاہیں نیت مختلف ہوں، مثلاً ایک نے قربانی کی

نیت کی ہو دوسرے نے عقیقہ کی، تیسرے نے کسی اور صدقہ کی تو اس کی گنجائش ہے اور قربانی کے شریک کی قربانی ہوجاتی ہے۔

قربانی کا جانور خریدنے کے بعد بھی آپس میں دوسروں کو شریک کیا جاسکتا ہے، اگرچہ بہتر یہی ہے کہ خریداری سے پہلے ہی سب شریک متعین ہوجائیں۔

قربانی کا گوشت وزن سے تقسیم کرنا چاہیئے، اندازے سے نہیں، لیکن کسی طرف گوشت کے ساتھ پائے اور کھال لگا دی جائے، تو پھر اندازے سے بھی تقسیم کرنا درست ہے کیونکہ تبدیل جنس کی وجہ سے کمی زیادتی کی گنجائش نکل آئی بکرا بکری بھیڑ دنبہ کم سے کم ایک سال کا، اونٹ پانچ سال کا، بھینس بیل گائے وغیرہ کم سے کم دو سال کے ہونے چاہئیں اس سے کم عمر کے جانور کی قربانی درست نہیں، البتہ بھیڑ یا دنبہ اگر فربہ ہو اور دیکھنے میں ایک سال کا معلوم ہوتا ہو تو اس کے لیے پورے سال کی شرط نہیں چھ مہینے سے کچھ بھی زیادہ ہو تو اس کی قربانی ہوسکتی ہے۔

میت کی جانب سے قربانی کی جاسکتی ہے پھر اگر مرنے والے نے قربانی کی وصیت کی تھی تو میت کی قربانی کا تمام گوشت صدقہ کر دینا ضروری ہے، اگر میت کی وصیت کے بغیر وارثوں نے اسکی طرف سے قربانی کی ہے تو اس کے گوشت کا حکم وہی رہے گا جو زندوں کی قربانی کا۔

ایک شخص پر قربانی واجب تو نہیں تھی مگر اس نے قربانی کی نیت اور ارادے سے جانور خرید لیا تو اس کے بعد اس کے ذمہ اس جانور کی قربانی ضروری ہوگئی، قربانی کا یہ جانور اب فروخت نہیں ہوسکتا، ایسی حالت میں اس نے اگر قربانی نہ کی اور قربانی کے دن یونہی گذر گئے تو یہ زندہ جانور مسکینوں اور غریبوں کو دیا جائیگا اور جس کے ذمہ قربانی واجب تھی اور اس نے قربانی کا جانور خرید بھی لیا تھا، لیکن کسی وجہ سے وہ اسکی قربانی نہیں کر سکا اور قربانی کے تینوں دن نکل گئے تو اسکے ذمہ قربانی کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے، تفصیل کے لیے فقہ حنفی کی معتبر کتابوں کا مطالعہ کیا جائے، یا پھر کسی مستند مفتی کو خط

رجوع کیا جائے۔

سات شریکوں نے مل کر قربانی کا بڑا جانور خریدا، ابھی قربانی کی نوبت نہیں آئی تھی کہ ایک شریک فوت ہوگیا، اب اگر مرنے والے کے وارث، شریکوں سے یہ کہتے ہیں کہ تم اس قربانی میں مرنے والے ہی کا حصہ رکھو اور اسی کی طرف سے قربانی کرو، اور شریکوں نے اپنی اور میت کی طرف سے قربانی کرلی تو یہ درست ہے، چھ شریکوں کی اپنی قربانی ہوگئی اور یہ ایک حصہ میت کی طرف سے ہوگیا، جس جانور کے متعلق یہ اندازہ ہو جائے کہ قریب الولادۃ ہے اس کی قربانی نہ کرنی چاہئے، کرے گا تو ہو جائے گی، پھر اگر قربانی کرنے سے پہلے بچہ پیدا ہو جائے تو بچہ کو بھی ماں کے ساتھ ذبح کردینا چاہئے، لیکن بچہ کا گوشت خود نہ کھائے صدقہ کردے۔

سات کو قربانی کرنا اگرچہ جائز ہے لیکن پسندیدہ نہیں بلکہ اس میں ایک درجہ کی کراہت ہے۔

قربانی اپنے ہاتھوں سے کرنی چاہئے، خود ذبح نہ کرنا جانتا ہو تو دوسرے سے ذبح کراتے وقت وہاں کھڑا رہے یہ حکم استحبابی ہے، وجوبی نہیں۔

والدین پر اپنی چھوٹی اولاد کی طرف سے قربانی واجب نہیں[1] صدقۃ الفطر اور قربانی میں یہی فرق ہے، چھوٹی غریب اولاد کا فطرہ والدین کے ذمہ واجب[1] ہے، چند آدمیوں نے مل کر ایک وقت میں اپنے اپنے لئے قربانی کی ایسی راسیں خریدیں جو ہر جسم موٹاپے، رنگ اور دوسری خصوصیتوں کے لحاظ سے یکساں تھیں، خریدنے والوں نے ان جانوروں کو رات کے وقت کسی گھر میں بند کر دیا صبح کو دیکھا تو ان میں ایک جانور مرا ہوا پایا، چونکہ تمام راسیں دیکھنے میں ایک طرح کی تھیں اور ان پر کوئی مخصوص نشان بھی نہیں لگایا گیا تھا اسلئے اس کا پتہ ہی نہیں چلتا کہ مرنے والی راس کس کی تھی، ایسی حالت میں ان تمام راسوں کو فروخت کر دینا چاہئے، اور انکی قیمت سے دوبارہ اتنے ہی جانور خریدنے چاہئیں، اور ہر ساتھی دوسرے کو اپنی طرف سے قربانی کرنے کی وکالت اور ذمہ داری سپرد کردے، اس طرح ہر ایک کی قربانی

درست ہو جائے گی۔

چرم قربانی قربانی کے جانور کی کھال اگرچہ قربانی کرنے والا اپنے ہر قسم کے استعمال میں لا سکتا ہے، مثلاً جانماز، ڈول، بیگ وغیرہ کے کام میں لاکر اسی طرح دوسروں کو بھی دے سکتا ہے، لیکن فروخت کرنے کے بعد اس کی قیمت کو اپنے صرف میں نہیں لا سکتا یہ قیمت زکوٰۃ کے حکم میں ہے، جو مصرف زکوٰۃ کا ہے وہی چمڑے کی قیمت کا۔

قصاب کی اجرت قربانی کے کسی حصے میں سے دینا درست نہیں۔

قربانی کی کھال یا اس کی قیمت کا کسی جلسے اور معاوضے میں دینا بھی درست نہیں، مثلاً کسی مسجد کے امام و مؤذن کو امامت و اذان کی اجرت کے طور پر دینا۔

چند متفرق مسائل ذبح کرنے کے بعد قربانی کے جانور کے پیٹ سے زندہ بچہ نکلا تو اس کو بھی ذبح کر دینا چاہئے اور اگر اس کو اس کی ماں کے ساتھ ذبح نہ کیا گیا یہاں تک کہ قربانی کے دن نکل گئے تو اب اس بچہ کو زندہ صدقہ کر دینا چاہئے، اور اگر وہ محفوظ نہ رہ ضائع ہوگیا (مثلاً چوری ہوگیا یا بیمار ہوکر مرگیا) یا اسکو ذبح کرکے اپنے استعمال میں لے آیا تو اس کی قیمت کا اندازہ کرکے صدقہ کردے، اس خیال سے اس کی پرورش کرتا کہ آنے والے سال کی قربانی میں کام آجائے گا، درست نہیں اس کی قربانی نہیں ہو سکتی، کرے گا تو قربانی کی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہوگا۔ بلکہ اس کو دوسری قربانی کرنی پڑے گی اور اس گزشتہ سال کے پرورش کئے ہوئے بچہ کا جو اس سال کی قربانی کے جانور سے پیدا ہوا تھا تمام گوشت صدقہ کیا جائے گا اور یہ اندازہ لگاکر کہ زندہ ہوتا تو اس کی قیمت کیا ہوتی اور اب ذبح کرنے کے بعد اس کے گوشت اور کھال وغیرہ کی کیا قیمت ہے، جتنی کمی ہے اسکا بھی صدقہ کرنا چاہئے۔

فان المعین بجہ حتی مضت ایام النحر یتصدق بہ

[1] جیسا کہ تمام کتب فقہ میں اس کی تصریح ہے، اولاد کا صدقۃ الفطر ضروری احاکر نا واجب ہے۔ عورت پر نہیں۔ گویا اگر باپ مر چکا ہو یا غریب ہو تو ماں پر اولاد کا صدقۂ فطر واجب نہیں

حیاً فان ضاع او ذبحہ واکلہ یتصدق بقیمتہ فان بقی حتیٰ ذبحہ للعام القابل اضحیۃ لا یجوز وعلیہ اُخری لعامہ الذی ضحی ویتصدق بہ مذبوحاً مع قیمۃ ما نقص بالذبح والفتویٰ علیٰ ھذا (خانیہ) شامی ج ۵ صفحہ ۲۸۲

قربانی کا جانور گم ہو گیا یا چوری ہو گیا اور قربانی کے لئے دوسرا جانور خرید لیا گیا، خریدنے کے بعد پہلا بھی مل گیا تو ایسی صورت میں دونوں ہی کی قربانی کر دینا بہتر ہے ویسے ایک بھی کرے گا تو درست ہے، لیکن اس کا لحاظ رکھے کہ دوسرے جانور کی قربانی کرے تو اس کی قیمت پہلے جانور سے کم نہ ہو برابر ہو یا زیادہ ہو، کم ہو گی تو کمی مقدار کا صدقہ کیا جائے گا اور اگر یہ قربانی کرنے والا صاحب نصاب نہیں تھا یعنی اس پر پہلے سے قربانی واجب نہیں تھی بلکہ قربانی کا جانور خرید لینے کی وجہ سے قربانی ضروری ہو گئی، تو اس کے لئے دونوں جانور ذبح کرنے ضروری ہیں۔

لان الوجوب علی الغنی بایجاب الشرع وھو لم یوجب الا الواحد واما الفقیر فلان الوجوب علیہ بالشراء وھو متعدد فیجب علیہ متعدداً (سعیدیات ج ۲ ص ۲۶۲)

ایسے شخص نے جس پر قربانی واجب تھی قربانی کا جانور خریدا، لیکن وہ مر گیا تو اس کو اس جانور کی جگہ دوسرا خریدنا ہو گا لیکن اگر یہ شخص صاحب نصاب نہیں تھا اور اس پر قربانی واجب نہیں تھی، اس کے باوجود اس نے قربانی کی نیت سے جانور خرید لیا اور وہ مر گیا تو اس کے لئے دوسرا جانور خریدنا ضروری نہیں۔

قربانی کا جانور بے عیب خریدا تھا، پھر اس میں کوئی ایسی خرابی اور عیب پیدا ہو گیا جس کی وجہ سے قربانی کے لائق نہیں رہا، اب اگر یہ شخص صاحب نصاب ہے تو اس کے لئے اس قربانی کی جگہ دوسری بے عیب قربانی کا بندوبست کرنا ضروری ہے، اور صاحب نصاب نہیں ہے تو یہی کافی ہے، دوسرا جانور خریدنے کی ضرورت نہیں البتہ اگر اس نے قربانی کی نذر مان رکھی تھی اور اس نذر کو پورا کرنے کے لئے بے عیب جانور خریدا تھا، پھر اس میں عیب آ گیا تو اس عیب والے جانور کی قربانی سے اس کی نذر پوری نہیں ہو گی، کیونکہ وجوب کامل ادا ناقص سے ساقط نہیں ہوتا، اس میں نادار اور صاحب نصاب سب برابر ہیں۔

نقص و عیب ذبح کے بندوبست کے وقت جانور کے بدکنے، اچھلنے، کودنے اور تڑپنے سے پیدا ہوا تو اس عیب کو عیب نہیں سمجھا جائے گا، اس کی قربانی درست ہے۔

ذبح سے پہلے قربانی کے جانور کی اون اتروا کر اس سے نفع اٹھانا اور اس کو اپنے استعمال میں لانا مکروہ ہے، ایسا کر لیا تو اس کو صدقہ کر دینا چاہیئے۔

واللہ اعلم بالصواب